ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1910

Program: BS (Islamic Studies, English Version)

Semester: Autumn 2026

ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY, ISLAMABAD

Course: تصوف و اخلاق اسلامی (1910)

Level: اسلامیہ علوم ایس بی (B.S. Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

Assignment No. 2 (Units 6–9)

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(For Study & Reference)

Note: This guide is prepared for study and reference purposes. Students are advised to read the relevant units of the course book and write the assignment in their own words. نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے ہے۔ طلبہ اپنے الفاظ میں مشق تحریر کریں۔

کل نمبر — 100 :کامیابی کے نمبر — 50 :ہر سوال کے نمبر20 :

سوال نمبر :1 متقین کے درجات بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

تقویٰ اسلامی زندگی کی روح اور تمام نیکیوں کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید نے متقین کو اللہ کا محبوب، جنت کا وارث اور دنیا و آخرت کی ہدایت و کرامت کا اصل حقدار قرار دیا ہے۔ مگر یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ تقویٰ سب انسانوں میں ایک جیسا نہیں ہوتا، بلکہ ایمان، علم، مجاہدے اور قربِ الٰہی کے اعتبار سے اس کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ جس طرح روشنی کے مدارج ہوتے ہیں اسی طرح تقوے کے بھی مراتب ہیں، اور ہر مومن کو اپنے درجے سے اگلے درجے کی طرف بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ذیل میں پہلے تقوے کا مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر قرآن کی روشنی میں متقین کی صفات واضح کی جائیں گی، اور پھر علماء و صوفیاء کے بیان کردہ درجاتِ تقویٰ تفصیل سے پیش کیے جائیں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ عام مومن، خاص اہلِ ورع اور مقربین کا تقویٰ ایک دوسرے سے کس طرح ممتاز ہوتا ہے۔

تقوے کا مفہوم

تقویٰ عربی لفظ" وقایہ "سے ہے جس کے معنی بچاؤ اور ڈھال کے ہیں۔ اصطلاح میں تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کی اطاعت کو اپنی ڈھال بنائے اور نافرمانی کو چھوڑ دے۔ ایک مشہور تعریف یہ ہے کہ

تقویٰ اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہوئے اس کی اطاعت پر عمل کرنا ہے، وہ بھی اللہ کے نور کی روشنی میں اور اس کے ثواب کی امید پر۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تقویٰ اللہ کا خوف، قرآن پر عمل، تھوڑے پر قناعت اور موت کے دن کی تیاری کا نام ہے۔ یہ جامع تعریف تقوے کے ظاہری و باطنی دونوں پہلوؤں کو سمیٹ لیتی ہے۔

قرآن نے سورہ البقرہ کے آغاز میں ہی متقین کی بنیادی صفات بیان کر دی ہیں کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، نازل شدہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اسی سورہ میں یہ اعلان بھی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یہ آیات بتاتی ہیں کہ تقویٰ کسی خاص خاندان، پیشے یا ظاہری ہیئت کا نام نہیں بلکہ دل کی کیفیت اور عمل کی زندگی کا نام ہے۔

درجاتِ تقویٰ کی بنیاد

علماء نے تقوے کے درجات کو سمجھانے کے لیے انسانی مراتب کو سامنے رکھا ہے۔ چونکہ لوگ علم، ہمت اور مجاہدے میں برابر نہیں ہوتے، اس لیے ان کا تقویٰ بھی برابر نہیں ہوتا۔ بعض صرف بڑے گناہوں سے بچتے ہیں، بعض چھوٹے گناہوں اور شبہات سے بھی پرہیز کرتے ہیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی احیاء علوم الدین میں ورع و تقوے کے مراتب بیان کیے ہیں اور واضح کیا ہے کہ درجہ جتنا بلند ہوگا اتنی ہی پرہیزگاری کی باریک بینی بڑھتی جائے گی۔

درجات کا یہ فرق اللہ کی رحمت سے کسی کو مایوس کرنے کے لیے نہیں بلکہ ترقی کی راہ دکھانے کے لیے ہے۔ نچلا درجہ بھی قابلِ قدر ہے کیونکہ یہ اگلے درجے کی سیڑھی ہے، بشرطیکہ انسان اسی پر رک نہ جائے۔ جیسے طالب علم درجات طے کر کے آگے بڑھتا ہے اسی طرح سالک بھی توبہ، ورع، زہد اور محبت کے مراحل طے کرتا ہوا اعلیٰ درجے تک پہنچتا ہے۔

تقوے کا پہلا درجہ: عام مومنین کا تقویٰ

پہلا درجہ عام مسلمانوں کا تقویٰ ہے، جسے شرک و کفر سے بچنے اور فرائض کی ادائیگی اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کا درجہ کہا جاتا ہے۔ اس درجے کا متقی عقیدہ درست رکھتا ہے، نماز، روزہ، زکاۃ اور حج جیسے فرائض ادا کرتا ہے، اور زنا، چوری، شراب، جھوٹ، غیبت اور ظلم جیسے بڑے گناہوں سے بچتا ہے۔ یہ درجہ نجات کے لیے بنیادی شرط ہے اور قرآن کی بشارتوں کا اصل مخاطب ابتدائی طور پر یہی طبقہ ہے۔

اس درجے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسان شریعت کی ظاہری حدود کی پابندی کرتا ہے، اگرچہ کبھی کبھار کوتاہی ہو جائے تو توبہ کر لیتا ہے۔ ایسے متقین کے لیے قرآن نے دنیا میں ہدایت اور آخرت میں نجات کی بشارتیں دی ہیں۔ تاہم یہ درجہ تقوے کی ابتدا ہے، انتہا نہیں، اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ اسی پر قناعت نہ کرے بلکہ آگے بڑھے۔

تقوے کا دوسرا درجہ: خواص کا تقویٰ (ورع)

دوسرا درجہ خواص یعنی پختہ کار اہلِ ایمان کا تقویٰ ہے جسے ورع کہا جاتا ہے۔ اس درجے کا متقی صرف حرام سے نہیں بلکہ مشتبہ چیزوں سے بھی بچتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں، جو ان سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچا لی۔ یہ شخص صغیرہ گناہوں سے بھی پرہیز کرتا ہے، مکروہات سے دور رہتا ہے، زیادہ کھانے، زیادہ سونے اور فضول گفتگو جیسی مباح زیادتیوں میں بھی احتیاط برتتا ہے۔

اس درجے میں زبان، نگاہ اور کان کی حفاظت خاص طور پر شامل ہو جاتی ہے۔ ایسا متقی لقمے کے حلال ہونے کی تحقیق کرتا ہے، کسی کے مال و عزت کے بارے میں شبہے کی صورت میں بھی ہاتھ روک لیتا ہے اور اپنے وقت کو ضائع کرنے سے بھی ڈرتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک ورع دراصل سالک کی پہلی منزل ہے، کیونکہ جب تک پیٹ اور نظر حلال و پاک نہ ہوں، باطنی ترقی کی راہ نہیں کھلتی۔

تقوے کا تیسرا درجہ: خاص الخاص کا تقویٰ

تیسرا درجہ مقربین اور عارفین کا تقویٰ ہے، جس میں انسان ظاہری گناہوں اور شبہات سے آگے بڑھ کر قلبی غفلت سے بھی بچتا ہے۔ اس درجے کا متقی اس چیز سے بھی پرہیز کرتا ہے جو اسے اللہ کی یاد سے غافل کر دے، خواہ وہ فی نفسہ مباح ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی کی محبت اور خوف جگہ نہیں پاتا، اس کا ہر سانس حضورِ قلب کے ساتھ گزرتا ہے اور اس کی نگاہ ہر شے میں اللہ کی قدرت کے جلوے دیکھتی ہے۔ بعض علماء نے اس درجے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ متقی وہ ہے جس کا دل غیر اللہ سے خالی ہو۔

اس درجے کی ایک اور پہچان یہ ہے کہ ایسا شخص نیکیوں پر بھی ناز نہیں کرتا، بلکہ اپنی عبادتوں میں کوتاہی محسوس کر کے اللہ سے ڈرتا رہتا ہے۔ قرآن نے اس کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اہلِ ایمان کی صفت بیان کی ہے کہ وہ دیتے ہیں

جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس خوف سے لرزاں ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ یہی لوگ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے قرار پائے ہیں۔ گویا کامل تقویٰ اطاعت کے ساتھ خوف اور امید کا حسین امتزاج ہے، نہ غرور ہے نہ مایوسی۔

قابلِ اجتناب امور	کس کا تقویٰ	درجہ
شرک، کفر، ترکِ فرائض، کبیرہ گناہ	عام مومنین	پہلا درجہ
صغیرہ گناہ، مشتبہات، مکروہات، فضول مباحات	خواص / اہلِ ورع	دوسرا درجہ
غفلت، غیر اللہ کی محبت و خوف، خود پسندی	خاص الخاص / مقربین	تیسرا درجہ

متقین کے درجات کی عملی علامات اور ثمرات

درجات خواہ کتنے ہی بلند ہوں، متقین کی مشترکہ علامات قرآن نے یوں بیان کی ہیں کہ وہ غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں، راتوں کو کم سوتے اور سحری کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں، اپنے مال میں سائل و محروم کا حق جانتے ہیں، غصہ پی جاتے ہیں، لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور برائی کے بعد فوراً اللہ کو یاد کر کے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں، اور جانتے بوجھتے گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ یہ علامات بتاتی ہیں کہ تقویٰ صرف خوف کا نام نہیں بلکہ عبادت، اخلاق اور سماجی خدمت کا مجموعہ ہے۔

ثمرات کے اعتبار سے قرآن متقین کے لیے دنیا میں مشکلات سے نکلنے کا راستہ اور بے گمان رزق کا وعدہ کرتا ہے، معاملات میں حق و باطل کی تمیز کی قوت یعنی فرقان عطا کرنے کا اعلان کرتا ہے اور آخرت میں ان باغات کی بشارت دیتا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ولایت و محبت بھی متقین ہی کے لیے مخصوص بتائی گئی ہے کہ اللہ متقین سے محبت کرتا ہے اور متقین اللہ کے ولی ہیں۔ یہ ثمرات درجات کے اعتبار سے بڑھتے جاتے ہیں، جتنا تقویٰ بلند اتنا ہی قرب زیادہ۔

خلاصہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تقویٰ اللہ کی اطاعت کی ڈھال اختیار کرنے اور نافرمانی سے بچنے کا نام ہے، اور اس کے تین بڑے درجات ہیں :عام مومنین کا تقویٰ جو شرک اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب ہے، خواص کا تقویٰ یعنی ورع جو شبہات اور چھوٹی لغزشوں سے بھی پرہیز ہے، اور خاص الخاص کا تقویٰ جو قلب کو غیر اللہ سے خالی اور غفلت سے پاک رکھنا ہے۔

ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے درجے پر مطمئن نہ بیٹھے بلکہ علم، مجاہدے اور صحبتِ صالحہ کے ذریعے اگلے درجے کی طرف قدم بڑھاتا رہے، کیونکہ اللہ کے ہاں عزت کا واحد معیار تقویٰ ہے۔

سوال نمبر :2 قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تزکیہ نفس کی اہمیت بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

نفس انسانی خیر و شر دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے اسی نفس کی اصلاح یا بگاڑ پر انسان کی پوری زندگی کا دارومدار ہے۔ قرآن مجید نے نفس کو محض ایک فلسفیانہ مسئلہ نہیں بنایا بلکہ اس کی تزکیے کو انسان کی فلاح و خسران کا فیصلہ کن معیار قرار دیا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس کو بری خواہشات، اخلاقی آلائشوں اور اللہ سے غفلت سے پاک کر کے اسے اطاعت، ذکر اور اخلاقِ حسنہ کا خوگر بنایا جائے۔

زیرِ نظر سوال میں تزکیہ نفس کی اہمیت خاص طور پر قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مطلوب ہے۔ اس لیے ذیل میں پہلے قرآن کی بیان کردہ نفس کی اقسام و کیفیات کا جائزہ لیا جائے گا، پھر تزکیہ نفس کی اہمیت کی قرآنی دلائل سے وضاحت کی جائے گی، اور آخر میں قرآن کے بتائے ہوئے تزکیے کے ذرائع اور اس کے ثمرات بیان کیے جائیں گے۔

قرآن کی روشنی میں نفس کی اقسام

قرآن مجید نے نفس کی تین بڑی کیفیات بیان کی ہیں۔ پہلی نفسِ امّارہ ہے، جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل ہے کہ نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ یہ نفس کی وہ پست کیفیت ہے جس میں انسان خواہشات کا غلام بن کر گناہ کی طرف دوڑتا ہے۔ دوسری نفسِ لوّامہ ہے جس کی قسم سورہ القیامہ میں کھائی گئی ہے؛ یہ وہ ضمیر ہے جو گناہ کے بعد انسان کو ملامت کرتا ہے اور توبہ کی طرف لاتا ہے۔ یہ کیفیت امّارہ سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اصلاح کی آگ باقی ہے۔

تیسری اور اعلیٰ کیفیت نفسِ مطمئنہ کی ہے، جسے سورہ الفجر میں خطاب کر کے فرمایا گیا کہ اے نفسِ مطمئنہ !اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ یہی خطاب تزکیہ نفس کی معراج ہے۔ ان تینوں مراتب سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس جامد نہیں رہتا، یا تو وہ تزکیے سے اوپر اٹھتا ہے یا غفلت سے نیچے گرتا ہے، اور انسان کی زندگی اسی کشمکش کا نام ہے۔

قرآن میں تزکیہ نفس کی اہمیت

قرآن نے تزکیہ نفس کو فلاح کی قطعی شرط قرار دیا ہے۔ سورہ الشمس میں گیارہ قسمیں کھانے کے بعد نتیجہ بیان ہوا کہ کامیاب وہی ہوا جس نے نفس کو پاک کیا اور برباد وہی ہوا جس نے اسے دبا دیا۔ یہ کائنات کی بڑی نشانیوں پر قسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ تزکیہ نفس کا قانون بھی اتنا ہی اٹل ہے جتنا سورج و چاند کا نظام۔ سورہ الاعلیٰ میں اس شخص کو مراد یافتہ کہا گیا جو پاک ہوا اور نماز و ذکر میں مشغول رہا، جب کہ اس کے برعکس دنیا کو ترجیح دینے والوں کو تنبیہ کی گئی۔

تزکیہ نفس کی اہمیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن نے اسے انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد قرار دیا ہے۔ سورہ البقرہ، آل عمران اور الجمعہ میں رسول کی ذمہ داریوں میں امت کا تزکیہ شامل ہے۔ اس تسلسل سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانیت کی اصل بیماری باطن کی بیماری ہے، اور اسی کے علاج کے لیے وحی نازل ہوئی۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن نے اخروی نجات کو پاکیزہ نفس سے جوڑا ہے؛ سورہ النازعات میں فرمایا گیا کہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا، اس کا ٹھکانا جنت ہے، اور سورہ طٰہٰ میں جناتِ عدن کی بشارت اسی کے لیے رکھی گئی جو پاک ہو کر آئے۔

چوتھا پہلو یہ ہے کہ قرآن عبادات کا مقصد بھی تزکیہ ہی بتاتا ہے۔ نماز فحشاء و منکر سے روکتی ہے، روزے کی غرض تقویٰ کا حصول بیان ہوئی ہے، زکاۃ مال اور نفس دونوں کو پاک کرتی ہے اور حج کی مقبولیت اسی سے مشروط ہے کہ اس میں فحش و فسوق نہ ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبادات مجرد رسوم نہیں بلکہ نفس کی تربیت کا مرحلہ وار نظام ہیں، اور تزکیے کے بغیر وہ اپنی روح سے خالی ہو جاتی ہیں۔

تزکیہ نفس کے قرآنی ذرائع

قرآن نے تزکیہ نفس کے ذرائع بھی واضح بتلائے ہیں۔ سب سے پہلا ذریعہ ایمان اور ذکرِ الٰہی ہے، کیونکہ دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے نصیب ہوتا ہے۔ دوسرا ذریعہ نماز کی پابندی ہے جو انسان کو دن میں پانچ مرتبہ خواہشات سے کاٹ کر اللہ کے حضور کھڑا کرتی ہے۔ تیسرا روزہ ہے جو خواہشِ نفس کو قابو میں کرنے کی عملی مشق ہے۔ چوتھا انفاق فی سبیل اللہ ہے جو بخل اور مال کی محبت جیسی نفسانی بیماریوں کا علاج ہے۔ پانچواں ذریعہ تلاوتِ قرآن اور اس میں تدبر ہے، کیونکہ قرآن کو شفاء کہا گیا ہے جو دلوں کی بیماریوں کا علاج ہے۔

ان کے علاوہ قرآن صحبتِ صالحہ اور صبر و شکر پر بھی زور دیتا ہے۔ سورہ کہف میں حکم دیا گیا کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اجتماعی ماحول فرد کے تزکیے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن خوف و رجاء کا توازن سکھاتا ہے تاکہ نفس نہ مایوسی میں مبتلا ہو نہ غرور میں۔ یہ ذرائع مل کر ایک مکمل قرآنی نظامِ تزکیہ بناتے ہیں جس پر عمل کرنے سے ہر عام مسلمان بھی اپنے نفس کو درجہ بدرجہ سنوار سکتا ہے۔

تزکیہ نفس کے ثمرات

تزکیہ نفس کے ثمرات قرآن نے بڑے واضح الفاظ میں بیان کیے ہیں۔ دنیا میں اس کا ثمرہ سکونِ قلب، گناہوں سے نفرت، عبادت میں لذت اور اللہ کی دوستی ہے۔ جس دل میں ایمان پختہ ہو جاتا ہے، قرآن کے بیان کے مطابق فرشتے اس پر نازل ہوتے ہیں اور اسے خوف و غم سے بے نیاز کرنے کی بشارت دیتے ہیں۔ معاشرتی زندگی میں مزکّی النفس شخص امین، صادق اور خدمت گزار ہوتا ہے، اس کے اخلاق سے اسلام کی سچی تصویر نمایاں ہوتی ہے اور یہی وہ دعوت ہے جو زبان سے زیادہ مؤثر ہے۔

آخرت میں تزکیے کا ثمرہ جنت، رضائے الٰہی اور نفسِ مطمئنہ کی حیثیت سے اللہ کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ قرآن کے بقول خسران صرف اس کے لیے ہے جس نے نفس کو آلودہ رکھا۔ یوں تزکیہ نفس کوئی اختیاری روحانی شوق نہیں بلکہ دنیوی سکون اور اخروی نجات دونوں کی لازمی شرط ہے۔ یہ فرق واضح رہے کہ تزکیے سے نفس مرتا نہیں بلکہ سنورتا ہے؛ حلال خواہشات باقی رہتی ہیں مگر شریعت کی حدود میں آ کر وہ بھی عبادت بن جاتی ہیں۔

خلاصہ

حاصلِ بحث یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں نفس امّارہ سے لے کر مطمئنہ تک کے مراتب طے کر سکتا ہے، اور اس ترقی کا واحد راستہ تزکیہ ہے۔ قرآن نے تزکیے کو فلاح کی شرط، انبیاء کی بعثت کا مقصد، عبادات کی روح اور آخرت کی نجات کا سبب قرار دیا ہے، اور ذکر، نماز، روزہ، زکاۃ، تلاوت اور صحبتِ صالحہ کو اس کے ذرائع بتایا ہے۔ لہٰذا ہر طالب علم اور ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ روزانہ محاسبہ نفس کو عادت بنائے، کیونکہ جو نفس آج حساب دے گا وہ کل حساب سے بچے گا۔

سوال نمبر :3 نبی کریم ﷺ کا منصبِ تزکیہ بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

منصب نبوت کے فرائض میں تزکیہ امت ایک مستقل اور بنیادی فریضہ ہے جسے قرآن مجید نے بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ صرف احکام پہنچانے والے مبلغ نہ تھے، بلکہ آپ امت کے مربی و مزکی بھی تھے، جنہوں نے جاہلی معاشرے کے افراد کو پاک کر کے انسانیت کے بہترین نمونے بنا دیا۔ اس منصب کو سمجھے بغیر سیرت کا مطالعہ ادھورا رہتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی تئیس سالہ جدوجہد کا بڑا حصہ دلوں کی تبدیلی اور نفوس کی صفائی پر صرف ہوا۔

ذیل میں منصب تزکیے کا مفہوم بیان کرنے کے بعد قرآنی آیات سے اس کی دلیل پیش کی جائے گی، پھر نبی کریم ﷺ کے طریقہ تزکیہ اور اس کے عملی ذرائع بیان ہوں گے، صحابہ کرام کی زندگیوں میں اس کے اثرات کا جائزہ لیا جائے گا اور آخر میں امت کے لیے اس منصب کی رہنمائی پر بحث کی جائے گی۔

منصبِ تزکیہ کا مفہوم

منصب کے معنی عہدہ اور ذمہ داری کے ہیں۔ منصب تزکیہ سے مراد وہ خدائی فریضہ ہے جو نبی کریم ﷺ کے سپرد کیا گیا کہ آپ انسانوں کے نفوس کو شرک، گناہوں، اخلاقی رذائل اور جاہلی عادات سے پاک کریں اور انہیں ایمان، اخلاص اور حسنِ اخلاق سے آراستہ کر کے اللہ کا مقرب بندہ بنائیں۔ یہ منصب محض وعظ و نصیحت تک محدود نہیں، بلکہ اس میں تعلیم، تربیت، نگرانی، عملی نمونہ اور روحانی توجہ سب شامل ہیں۔ گویا نبی ﷺ طبیبِ قلوب بھی تھے اور معلم و مربی بھی۔

اس فریضے کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی تربیت کا دائرہ عقیدے کی اصلاح سے شروع ہو کر عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست اور قلبی کیفیات تک پھیلا ہوا تھا۔ جو شخص آپ کی مجلس میں آتا، اس کے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہو جاتی۔ اسی لیے مسیحی مورخین تک نے اعتراف کیا ہے کہ محمد ﷺ نے انسانوں کی اس نسل کو بدل دیا جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی تھی، اور یہ تبدیلی دراصل منصب تزکیے کا کرشمہ تھی۔

منصبِ تزکیے کی قرآنی دلیل

قرآن مجید میں چار مقامات پر نبی کریم ﷺ کے منصب تزکیے کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ سورہ البقرہ آیت 129 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے ہمارے رب !اس نسل میں ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ اسی مضمون کو سورہ البقرہ آیت 151 میں یوں پورا کیا گیا کہ ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے، تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

سورہ آل عمران آیت 164 میں اسے مومنین پر اللہ کا احسان قرار دیا گیا کہ اللہ نے مومنین پر بڑا احسان کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ سورہ الجمعہ آیت 2 میں فرمایا گیا کہ وہی اللہ ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ ان چاروں آیات میں تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت تین مستقل فرائض ہیں، جس سے تزکیے کی من حیث المنصب حیثیت قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اکثر آیات میں تزکیے کا ذکر تعلیمِ کتاب سے پہلے آیا ہے۔ اس ترتیب میں یہ حکمت بتائی گئی ہے کہ علم کی قبولیت کے لیے دل کا پاک ہونا پہلی شرط ہے؛ گندے برتن میں صاف پانی بھی آلودہ ہو جاتا ہے، اسی طرح آلودہ قلب میں علم کی روشنی بھی تکبر و ریا بن جاتی ہے۔ چنانچہ منصب تزکیہ گویا تعلیم کی بنیاد اور اس کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

نبی کریم ﷺ کے طریقہ تزکیہ کے ذرائع

نبی کریم ﷺ نے تزکیے کے لیے متعدد مربوط ذرائع استعمال فرمائے۔ پہلا ذریعہ تلاوت و وحی سے تعلق تھا؛ قرآن کی آیات دلوں کو جھنجھوڑتی، آنکھوں سے آنسو جاری کرتیں اور بت پرستی کے تصورات کو جڑ سے اکھاڑ دیتی تھیں۔ دوسرا ذریعہ عملی اسوہ تھا؛ آپ ﷺ نے جو حکم دیا پہلے خود کر کے دکھایا، چنانچہ آپ کا کردار قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ بن گیا اور صحابہ کو دور جانے کی ضرورت نہ رہی۔ تیسرا ذریعہ صحبت و مجلس تھی؛ آپ کی محفل میں بیٹھنے والوں کے دلوں میں ایمان کی تازگی اور آخرت کی یاد پیدا ہو جاتی تھی۔

چوتھا ذریعہ عبادات کی تربیت تھی۔ نماز کو اجتماعی نظم کے ساتھ قائم کرنا، رمضان کی مشترکہ ریاضت، زکاۃ کے ذریعے دولت کی محبت کا علاج اور حج کے ذریعے رنگ، نسل اور زبان کے امتیازات مٹانا، یہ سب تزکیے کے عملی مراحل تھے۔ پانچواں ذریعہ دعا تھی؛ آپ ﷺ صحابہ کے لیے اور پوری امت کے لیے پاکیزگی کی دعائیں کرتے اور خود اپنے لیے بھی دعا فرماتے کہ اے اللہ !میرے نفس کو تقویٰ عطا کر اور اسے پاک کر دے۔ چھٹا ذریعہ انفرادی نگرانی و احتساب تھا؛ آپ ﷺ ہر شخص کی طبیعت و مزاج کے مطابق نصیحت فرماتے، کسی کو غصہ نہ کرنے کی وصیت، کسی کو زبان کی حفاظت کی تلقین اور کسی کو دنیاوی لالچ سے خبردار کرنا اس انفرادی تزکیے کی مثالیں ہیں۔

ساتواں ذریعہ اجتماعی نظام و ماحول سازی تھی۔ مدینہ میں مسجد کو مرکز بنا کر، مؤاخات کے ذریعے مہاجرین و انصار کو بھائی بنا کر، اور میثاقِ مدینہ کے ذریعے عدل پر مبنی معاشرہ قائم کر کے آپ ﷺ نے ایسا ماحول تیار کیا جس میں رہ کر معمولی انسان بھی تزکیے کی منزلیں طے کرنے لگا۔ اسی جامع طریق کا نتیجہ تھا کہ چور امین بن گئے، ڈاکو محافظ بن گئے اور بت پرست موحد بن کر دنیا کے معلم بن گئے۔

صحابہ کرام کی زندگیوں میں تزکیے کے اثرات

منصب تزکیے کے اثرات صحابہ کرام کی زندگیوں میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو حبشی غلام تھے، تزکیہ نبوی سے سیدنا بلال کہلائے اور ان کے قدموں کی آہٹ جنت میں سنائی دی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حق کی تلاش میں در در بھٹکنے کے بعد اس تربیت سے اہلِ بیت میں شمار ہوئے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ کے ناز و نعم میں پلنے والے نوجوان تھے؛ حضور ﷺ کی تربیت نے انہیں مدینہ کا پہلا مبلغ بنا دیا اور شہادت کے وقت ان کے جسم پر کفن بھی پورا نہ تھا۔

اجتماعی سطح پر پورا عرب معاشرہ بدل گیا۔ جو قوم شراب کی محفلوں پر فخر کرتی تھی وہ رمضان کی راتوں میں قرآن سننے پر رونے لگی، جو بیٹیوں کو زندہ دفن کرتی تھی وہ ان کی تربیت پر جنت کی بشارتیں پانے لگی، اور جو قبائل صدیوں سے باہم لڑتے تھے وہ بھائی بھائی بن گئے۔ یہ کرامت نہیں تاریخ ہے، اور اس کی واحد معقول توجیہ یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کے دیے ہوئے منصب تزکیے کو کمال درجے پر ادا کیا۔

امت کے لیے رہنمائی

منصب تزکیہ نبوت کے ساتھ مکمل ہو گیا، مگر اس کا فیض علماء، مصلحین اور مربین کے ذریعے جاری ہے۔ آج کے دور میں تعلیم عام ہے مگر تربیت ناپید، جس کی وجہ سے علم کے باوجود بدعنوانی اور بے راہ روی بڑھ رہی ہے۔ امت کی اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب نبوی ترتیب دوبارہ اپنائی جائے :پہلے ایمان و اخلاق کی پاکیزگی، پھر علم؛ پہلے کردار، پھر محض نصاب۔ والدین، اساتذہ اور مذہبی رہنماؤں کے لیے اس میں عملی سبق یہ ہے کہ وہ اصلاح کو وعظ تک محدود نہ رکھیں بلکہ نمونہ، صحبت، ماحول اور مسلسل نگرانی کا نبوی نظام قائم کریں۔

خلاصہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تزکیہ نبی کریم ﷺ کا وہ خدائی منصب ہے جسے قرآن نے چار مقامات پر تلاوتِ آیات اور تعلیمِ کتاب و حکمت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ نے وحی، اسوہ، صحبت، عبادات کی تربیت، دعا، انفرادی نگرانی اور اجتماعی ماحول سازی کے ذریعے جاہلی انسانوں کو پاک کر کے انسانیت کا بہترین نمونہ بنا دیا۔ یہ منصب آج بھی امت کے لیے مشعلِ راہ ہے کہ اصلاحِ انسان کا آغاز دل سے ہوتا ہے، اور جو دل پاک ہو جائے اس کا علم بھی نافع، عمل بھی مقبول اور زندگی بھی کامیاب ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر :4 قرآن و سنت کی روشنی میں تصوف کے مقامات بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

تصوف میں سالک کی روحانی ترقی کے مراحل کو" مقامات "کہا جاتا ہے۔ یہ وہ منزلیں ہیں جنہیں مجاہدے، ریاضت اور مستقل عمل سے حاصل کیا جاتا ہے اور جن پر پہنچ کر سالک اگلی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔ مقامات کو سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ تصوف کوئی بے نظام روحانی دھند نہیں بلکہ قرآن و سنت سے ثابت ایک مرحلہ وار تربیتی نظام ہے، جس کی ہر منزل کی بنیاد وحی میں موجود ہے۔

ذیل میں پہلے مقام کا مفہوم اور مقامات و احوال کا فرق بیان کیا جائے گا، پھر امام قشیری اور امام غزالی رحمہما اللہ کی ترتیب کے مطابق اہم مقامات — توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل اور رضا — کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا جائے گا اور آخر میں ان مقامات کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مقام کا مفہوم اور مقامات و احوال کا فرق

مقام کے لغوی معنی قیام کی جگہ اور مرتبے کے ہیں۔ صوفیاء کی اصطلاح میں مقام سے مراد وہ روحانی مرتبہ ہے جو سالک کو اپنی کوشش، مجاہدے اور عمل کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے اور جب تک وہ اس کے تقاضے پورے نہ کرے اگلی منزل کو نہیں پاسکتا۔ اس کے مقابلے میں" حال "وہ کیفیت ہے جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے، جیسے اچانک قلب میں خشیت، محبت یا شوق کی لہر پیدا ہو جانا؛ حال آتا اور چلا جاتا ہے مگر مقام ثابت و مستقل ہوتا ہے۔

مقامات کی ترتیب میں علماء کا معمولی اختلاف ہے مگر بنیادی منزلیں تقریباً سب کے ہاں مشترک ہیں۔ امام ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ نے رسالہ قشیریہ میں توبہ سے آغاز کیا ہے اور امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین میں توبہ، صبر، شکر، خوف، رجاء، فقر، زہد، توکل، محبت، رضا اور اخلاص وغیرہ کو کتابوں کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامات اہلِ تصوف کے خود ساختہ نہیں بلکہ شریعت کے منہج سے ترتیب دیے گئے مراحل ہیں۔

مقامِ توبہ

مقامات کی پہلی منزل توبہ ہے، کیونکہ جب تک انسان گناہوں سے رجوع نہ کرے آگے کا سفر شروع نہیں ہوتا۔ توبہ کے معنی لوٹنے کے ہیں؛ گناہ چھوڑنا، گزشتہ پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا پکا عزم اس کے ارکان ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا : "وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ "یعنی اے مومنو !تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ سورہ الزمر میں مایوسی سے بھی روکا گیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، وہ سارے گناہ بخش دیتا ہے۔

سنت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو، اور خود آپ ﷺ بلا گناہ ہونے کے باوجود روزانہ ستر سے سو مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ اس سے توبہ کی دو صورتیں واضح ہوتی ہیں :عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے، کیونکہ اللہ کے ذکر سے ایک لمحے کی غفلت بھی ان کے لیے کوتاہی شمار ہوتی ہے۔ یہی توبہ باقی تمام مقامات کا دروازہ ہے۔

مقاماتِ ورع و زہد

توبہ کے بعد ورع کا مقام ہے۔ ورع مشتبہ چیزوں سے بچنے کا نام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو مشتبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ اس مقام پر سالک اپنے کھانے، کمانے اور معاملات میں انتہائی احتیاط کرتا ہے، کیونکہ حرام لقمہ

عبادت کی روشنی بجھا دیتا ہے۔ ورع کی باریکیاں صوفیاء نے خاص طور پر بیان کی ہیں کہ ورع صرف مال میں نہیں، گفتگو، نگاہ اور وقت کے استعمال میں بھی ہوتا ہے۔

اس کے بعد زہد کا مقام آتا ہے۔ زہد دنیا سے نفرت کا نام نہیں بلکہ دنیا کی محبت دل سے نکال دینے اور آخرت کو ترجیح دینے کا نام ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جانے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور سورہ الحدید میں تلقین ہے کہ جو چیز ہاتھ سے جائے اس پر غم نہ کرو اور جو ملے اس پر اتراؤ مت۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا راہ گزر ہو۔ صحابہ و صوفیاء کا زہد یہ تھا کہ دنیا ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی مگر دل میں نہیں، اور یہی صحیح اسلامی زہد ہے، رہبانیت یعنی دنیا چھوڑ کر جنگلوں میں بیٹھ جانا اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

مقاماتِ فقر و صبر

فقر سے مراد مال کا نہ ہونا نہیں بلکہ دل کا اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جانا ہے۔ غنی وہ نہیں جس کے پاس مال زیادہ ہو، اصل غنا نفس کا غنا ہے، حدیث کی اس تعریف نے فقر و غنا کی حقیقت بدل دی۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ اے لوگو !تم سب اللہ کے فقیر ہو اور اللہ ہی غنی و حمید ہے۔ جس سالک کو اپنی فقیری کا یہ شعور حاصل ہو جائے وہ نہ مال پر غرور کرتا ہے نہ کمی پر جزع فزع، کیونکہ اس کی نظر دینے والے پر ہوتی ہے، دی گئی چیز پر نہیں۔

صبر سالک کی مستقل صفت ہے جس کے بغیر کوئی مقام طے نہیں ہوتا۔ قرآن میں نماز کے ساتھ صبر سے مدد لینے کا حکم ہے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی معیت کا وعدہ ہے۔ مزید فرمایا گیا کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ صبر کی تین قسمیں صوفیاء نے بیان کی ہیں :طاعت پر صبر کہ عبادت کی مشقت برداشت کی جائے، گناہ سے صبر کہ خواہش کے باوجود رک جانا جائے، اور مصیبت پر صبر کہ آزمائش میں شکوہ نہ کیا جائے۔ اسی جامع صبر کی مثال حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی ہے جن کا صبر ضرب المثل بن گیا۔

مقاماتِ توکل و رضا

توکل یہ ہے کہ انسان اسباب اختیار کر کے نتیجہ اللہ کے سپرد کر دے۔ قرآن میں فرمایا گیا" :وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ "یعنی جو اللہ پر بھروسا کرے تو اللہ اسے کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر سچا توکل کرو تو وہ

تمہیں یوں رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ لوٹتے ہیں۔ اس حدیث نے توکل کا صحیح مفہوم واضح کر دیا کہ پرندے بھی گھونسلا چھوڑ کر نکلتے ہیں، یعنی اسباب چھوڑنا توکل نہیں بلکہ اسباب کے بعد دل کا اللہ پر مطمئن ہونا توکل ہے۔

مقامات کا بلند درجہ رضا ہے، یعنی اللہ کے فیصلوں پر دل کا راضی ہو جانا۔ قرآن میں اہلِ ایمان کی صفت بیان ہوئی کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور یہی عظیم کامیابی قرار دی گئی۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کو رب ماننے پر رضا ظاہر کی اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔ رضا کا مقام صبر سے بلند ہے، کیونکہ صبر میں مصیبت برداشت کی جاتی ہے جب کہ رضا میں دل اس فیصلے کو محبوب و پسند سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رضا وہ آخری دروازہ ہے جس سے گزر کر سالک محبت و معرفت کے درجے میں داخل ہوتا ہے۔

قرآنی بنیاد	مفہوم	مقام
وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا) النور(31 :	گناہ سے رجوع و ندامت	توبہ
دع ما يريبك إلى ما لا يريبك) حديث(	مشتبہات سے پرہیز	ورع
مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ) النحل : 96)	دل سے دنیا کی محبت کا خاتمہ	زہد
أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ) فاطر(15 :	غیر اللہ سے بے نیازی	فقر
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ) البقرہ(153 :	طاعت، ترکِ گناہ و مصیبت پر ثابت قدمی	صبر
وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ) الطلاق : 3)	اسباب کے بعد نتیجہ اللہ کے سپرد کرنا	توکل
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) المائدہ : 119)	فیصلہ الٰہی پر دل کی خوشی	رضا

مقامات کا باہمی تعلق اور نتیجہ

یہ مقامات ایک سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ توبہ دروازہ ہے، ورع بنیاد ہے، زہد و فقر دل کی صفائی ہے، صبر و توکل سفر کا زادِ راہ ہے اور رضا منزل کی چوٹی ہے۔ کوئی سالک ترتیب چھوڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا؛ توبہ کے بغیر ورع دکھاوا، صبر کے بغیر توکل دعویٰ اور زہد کے بغیر رضا نری باتیں ہیں۔ اسی طرح مقامات حاصل کرنے کے بعد بھی ان کی حفاظت لازم ہے، کیونکہ روحانی ترقی میں ٹھہراؤ دراصل تنزلی کا آغاز ہوتا ہے۔

آج کے عام مسلمان کے لیے بھی یہ مقامات محض صوفیاء کی بحث نہیں بلکہ عملی زندگی کی ترتیب ہیں۔ گناہوں سے توبہ، کمائی و خوراک میں ورع، مال کی محبت میں زہد، آزمائشوں میں صبر، مستقبل کی فکر میں توکل اور مقدر پر رضا — یہ

سب مل کر وہ متوازن شخصیت بناتے ہیں جو دنیا میں بھی پُرسکون اور آخرت میں بھی کامیاب ہوتی ہے۔ یہی تصوف کا اصل پیغام ہے اور یہی مقامات کا حاصل ہے۔

خلاصہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مقامات سالک کی وہ پائیدار روحانی منزلیں ہیں جو مجاہدے سے حاصل ہوتی ہیں، اور ان میں توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل اور رضا نمایاں ہیں۔ ان سب کی بنیاد قرآن و سنت میں موجود ہے، اس لیے یہ مقامات شریعت سے الگ کوئی راستہ نہیں بلکہ اسی کی باطنی تکمیل ہیں۔ جو شخص ان مراحل کو دیانت و اخلاص کے ساتھ طے کرتا ہے وہ درجہ بدرجہ اللہ کے قرب کو پاتا ہے، اور یہی قرب انسان کی زندگی کا اصل مقصد اور تصوف کی اصل روح ہے۔

سوال نمبر :5 صوفیہ کے نزدیک استقامت کی اہمیت بیان کریں۔ 20) نمبر(

تعارف

استقامت دین کی جامع ترین صفت اور روحانی زندگی کا خلاصہ ہے۔ ایک لمحے کی نیکی آسان ہے، مگر عمر بھر حق پر جمے رہنا اصل کمال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے استقامت کو کرامت سے بھی بلند درجہ دیا ہے، کیونکہ کرامت اللہ کی عطا ہو سکتی ہے جب کہ استقامت بندے کی مستقل اطاعت و محنت کا نام ہے، اور اللہ کے ہاں قدر اسی کی ہے جو راہ پر جم کر چلتا رہے۔

زیرِ نظر سوال میں صوفیہ کے نزدیک استقامت کی اہمیت مطلوب ہے۔ ذیل میں استقامت کا مفہوم، قرآن و سنت میں اس کا مقام، صوفیاء کے اقوال کی روشنی میں اس کی فضیلت، استقامت و کرامت کا تقابل، اس کے ثمرات اور اس کے حصول کے طریقے بیان کیے جائیں گے۔

استقامت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

استقامت عربی لفظ" قوم "سے ہے جس کے معنی سیدھا کھڑا ہونا اور درست رہنا ہیں۔ استقامت کے معنی سیدھے راستے پر مضبوطی سے قائم رہنے، انحراف نہ کرنے اور حالات کے بدلنے کے باوجود حق سے نہ ہٹنے کے ہیں۔ اصطلاح میں استقامت سے مراد یہ ہے کہ انسان عقیدہ، عبادت، اخلاق اور معاملات ہر شعبے میں شریعت کے حکم پر اس طرح جم جائے کہ نہ خوف اسے ہٹا سکے نہ لالچ، نہ مشکل اسے مایوس کرے نہ آسانی اسے غافل۔

علماء نے استقامت کی بڑی جامع تعریف کی ہے کہ استقامت اعتدال پر قائم رہنا ہے؛ نہ افراط ہو نہ تفریط۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ استقامت یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر ایسے قائم رہو جیسے حکم دیا گیا ہے، نہ اس میں لومڑی کی سی چالاکی سے ادھر ادھر جھانکو۔ اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ استقامت محض بہت زیادہ عبادت کا نام نہیں، بلکہ حکم کے عین مطابق، ہمیشہ اور ہر حال میں قائم رہنے کا نام ہے۔

قرآن مجید میں استقامت کا مقام

قرآن مجید نے استقامت کو ایمان کی حقیقی علامت قرار دیا ہے۔ سورہ فصلت میں فرمایا گیا" :إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا "یعنی بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم گئے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو نہ غم۔ اس آیت میں قبولیت کا معیار صرف زبانی اقرار نہیں بلکہ اقرار کے بعد استقامت رکھا گیا ہے۔ سورہ الاحقاف میں انہی لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کو سورہ ہود میں حکم دیا گیا" :فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ "یعنی جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اسی طرح قائم رہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا، جس سے اہلِ علم نے یہی استقامت کے حکم کی گرانی مراد لی ہے کہ ذات پر بھی قیام لازم ہے اور امت کو قائم رکھنا بھی ذمہ داری ہے۔ قرآن کی یہ نصوص ظاہر کرتی ہیں کہ استقامت نجات و ولایت کا دروازہ ہے۔

سنتِ نبوی ﷺ میں استقامت

سنت میں استقامت کی جامعیت ایک مشہور حدیث سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا :یا رسول اللہ !مجھے اسلام میں ایسی بات بتا دیجیے کہ آپ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "قُلْ آمَنتُ بِاللَّهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ "یعنی کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر قائم رہو۔ دو لفظوں میں پورا دین سمیٹ دیا گیا : ایمان بنیاد اور استقامت عمارت۔ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس کی عملی مثال پیش کی؛ طائف کے زخم ہوں یا احد کا دن، آپ ﷺ اپنے منصب پر جمے رہے اور کبھی مایوسی یا مصلحت کے تحت حق سے پیچھے نہ ہٹے۔

آپ ﷺ نے اعمال کی استقامت کو بھی پسند فرمایا اور ارشاد کیا کہ اللہ کو سب سے محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔ اس حدیث سے استقامت کا ایک اہم اصول نکلتا ہے کہ کثرت کے بے ثبات عمل سے قلیل مگر دائمی

عمل بہتر ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی دعا تھی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے !میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استقامت اللہ کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے اور بندے کو ہمیشہ اس کا طلب گار رہنا چاہیے۔

صوفیہ کے نزدیک استقامت کی اہمیت

صوفیائے کرام کے نزدیک استقامت تمام مقامات و احوال کی روح ہے۔ امام قشیری رحمہ اللہ نے رسالہ قشیریہ میں استقامت کو مستقل عنوان کے تحت بیان کیا ہے اور اہلِ اللہ کے اقوال نقل کیے ہیں کہ استقامت کے بغیر کوئی عمل درجہ قبول کو نہیں پہنچتا۔ ابو علی دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو استقامت کا طالب ہوا اس کا کام درست ہوا اور جو اس سے پھرا وہ راستے سے بھٹک گیا۔ ان کے نزدیک عبادت کا آغاز ارادہ ہے، درمیان مجاہدہ ہے اور انجام استقامت ہے۔

مشہور قول ہے کہ" الاستقامة فوق الكرامة "یعنی استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ اس کی وجہ صوفیاء یہ بیان کرتے ہیں کہ کرامت کبھی کبھی ایسے شخص سے بھی ظاہر ہو سکتی ہے جو کامل نہ ہو، بلکہ استدراج بھی ہو سکتی ہے، جب کہ شریعت پر دائمی قیام صرف اسی کو نصیب ہوتا ہے جس کا باطن درست ہو۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انسان کا ایک دن بھی اللہ کی نافرمانی میں نہ گزرے۔ اسی لیے انہوں نے مرید کی پہچان خارق عادت باتوں سے نہیں بلکہ پانچ وقت کی نماز، حلال کمائی اور اخلاق میں اس کی پابندی سے کی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ جیسے اکابر نے سلوک کا خلاصہ اسی میں رکھا ہے کہ بندہ ہر حال میں حکمِ الٰہی کا پابند رہے۔ ان کے نزدیک حال کی لذتیں آتی جاتی رہتی ہیں، اصل سرمایہ وہ قیام ہے جو لذت ہو یا نہ ہو، یکساں رہے۔ اسی طرح صوفیاء نے یہ اصول بھی دیا ہے کہ استقامت کی علامت یہ ہے کہ نیکی پر مداومت ہو، لوگوں کی تعریف و مذمت سے عمل میں فرق نہ آئے اور تنہائی و مجلس میں انسان کا حال ایک جیسا ہو۔

استقامت کے ثمرات

استقامت کے قرآنی ثمرات میں فرشتوں کی بشارت، خوف و حزن سے نجات، ولایتِ الٰہی اور جنت کی ضمانت شامل ہیں۔ دنیوی ثمرات میں شخصیت کا وقار اور اعتماد ہے؛ مستقل مزاج انسان کی بات پر لوگ بھروسا کرتے ہیں اور اس کے فیصلے وزنی ہوتے ہیں۔ روحانی ثمرہ یہ ہے کہ استقامت سے عبادت میں رسوخ پیدا ہوتا ہے، ایمان پختہ ہوتا ہے اور دل دنیاوی تغیرات سے متاثر ہونے کے بجائے اللہ کے فیصلوں پر مطمئن رہتا ہے۔

اس کے برعکس استقامت کی کمی کے نقصانات بڑے ہیں۔ جو شخص حالات کے ساتھ بدلتا رہے وہ نہ دین میں درجہ پا سکتا ہے نہ دنیا میں اعتبار۔ عبادات میں بے قاعدگی سے روحانی ترقی رک جاتی ہے، نیک ارادے بار بار ٹوٹتے ہیں اور شیطان کے لیے راستے آسان ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے منافقین کی مذمت میں ان کی بے ثباتی کو نمایاں کیا ہے کہ وہ کبھی اِدھر ہیں کبھی اُدھر، اللہ نے انہیں بھٹکا دیا۔

استقامت حاصل کرنے کے طریقے

استقامت کے حصول کا پہلا ذریعہ اللہ سے دعا اور توفیق طلب کرنا ہے، جس طرح نماز کی ہر رکعت میں ہم" اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ "کہہ کر یہی مانگتے ہیں۔ دوسرا ذریعہ تھوڑا مگر باقاعدہ اعمال کی عادت ڈالنا ہے تاکہ نفس پر بوجھ نہ پڑے اور عمل زندگی بھر چل سکے۔ تیسرا ذریعہ نیک صحبت اور اہلِ استقامت کی مجلس ہے، کیونکہ انسان صحبت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ چوتھا ذریعہ محاسبہ و جائزہ ہے کہ انسان روزانہ یا ہفتہ وار اپنی پابندیوں کا حساب لے اور کوتاہی کی تلافی کرے۔

پانچواں ذریعہ شریعت کی حدود کی معرفت ہے، کیونکہ جہالت افراط و تفریط پیدا کرتی ہے اور اعتدال علم ہی سے قائم رہتا ہے۔ چھٹا ذریعہ صبر ہے؛ استقامت دراصل صبر کا دوسرا نام ہے کہ مشکلات، مخالفت اور طویل راستے کے باوجود انسان نہ رکے نہ مڑے۔ ان ذرائع کو اپنانے والا شخص دھیرے دھیرے اس مقام کو پا لیتا ہے جہاں نیکی اس کی طبیعت بن جاتی ہے اور گناہ اس کے لیے اجنبی ہو جاتا ہے۔

خلاصہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ استقامت ایمان کے اقرار کے بعد اللہ کے حکم پر ہر حال میں جمے رہنے کا نام ہے۔ قرآن نے اسے فرشتوں کی بشارت، ولایت اور جنت کا سبب قرار دیا، سنت نے اسے پورے دین کا خلاصہ بتایا اور صوفیائے کرام نے اسے کرامت سے بھی بلند مقام دیا، کیونکہ دائمی اطاعت ہی باطن کی درستگی کی اصل دلیل ہے۔ ہر طالب علم اور ہر سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ وقتی جوش کے بجائے مستقل مزاجی اختیار کرے، تھوڑا کرے مگر ہمیشہ کرے، اور اللہ سے ثابت قدمی کی دعا مانگتا رہے، یہی کامیابی کا سیدھا اور آزمودہ راستہ ہے۔